مسلم بیداری کے لیے خارجی محرکات کیوں؟

کیا مغرب کوک، جینز اور ڈینش مکھن کا نام ہے

مغرب کے فکر و فلسفے کو رد کرنے کی ضرورت

توہین رسالت کی ابلیسی واردات نے مسلم دنیا میں زبردست ردعمل پیدا کیا۔ مسلمان جگہ جگہ منظّم ہو کر باہر نکلے اور حضور اکرمؐ سے محبت کا اظہار کیا۔ بہت سے لوگوں کو اس میں ''اتحاد امت'' کی صورت نظر آئی اور انھیں یاد ہی نہیں رہا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ مسلمانوں کی اس سے بڑی مذمت اور کیا ہوسکتی ہے کہ انھیں اتحاد کے لیے اہل مغرب کی ابلیسی کارروائی کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ کہانی تو بہت پرانی ہے۔ علامہ اقبال نے بہت سال پہلے کہا تھا۔ ؎ طوفان مغرب نے مسلماں کو مسلماں کردیا

لیکن اقبال بات کہہ کر نہیں رہ گئے تھے انھوں نے اپنے طور پر اس کی دلیل بھی دی تھی۔

تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

بات ٹھیک ہے۔ دریا کا تلاطم ہی گوہر کو گوہر بناتا ہے لیکن مسلمانوں کو بیداری کے لیے خارجی محرکات کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟ ان کے لیے ان کے باطن کی قوت کیوں کافی نہیں ہوتی؟ مسلمانوں کو مسلمان بننے کے لیے عرصہ سے طوفان مغرب کی محتاجی کیوں لاحق ہے؟ اس سوال کا جواب کئی سطحوں پر دیا جاسکتا ہے۔

ذہین شخص وہ ہوتا ہے جو حالات سے پہلے ہی ان کا اندازہ کر کے حکمت عملی مرتب کر لیتا ہے۔ ذہانت کا اس سے کمتر درجہ یہ ہے کہ انسان مشاہدے یا دوسروں کے تجربات سے کچھ سیکھ لے۔ لیکن بہت سے انسان اس وقت تک کچھ سیکھنے پر آمادہ نہیں ہوتے جب تک انھیں براہِ راست تلخ تجربات لاحق نہ ہوں۔ عوامی زبان میں بات کی جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو کچھ بنانے یا سکھانے کے لیے جوتے مارنے پڑتے ہیں۔ اقبال کی معنی آفرینی اور شائستگی تسلیم مگر ان کے تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی کا مفہوم یہی ہے۔ گزشتہ ساڑھے چار سال کی تاریخ اس کا تازہ ترین ثبوت ہے۔ امریکا نے کسی جواز کے بغیر افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو مسلمان بیدار ہوئے۔ عراق کے خلاف ننگی جارحیت ہوئی تو مسلمانوں پر طاری خواب خرگوش

ٹوٹا۔حضورا کرمؐ کی اہانت ہوئی تو بہت سے لوگوں کو نظر آیا کہ ہم تہذیبوں کے تصادم کے درمیان سانس لے رہے ہیں اور صلیبی نفسیات ہمارے تعاقب میں ہے۔بقول شاعر

حادثہ مامور ہوگا اب مری تسلیم پر
میری فطرت کے لیے ہر واقعہ کم پڑ گیا

جہاں تک حضورا کرمؐ کی ذات گرامی کا معاملہ ہے تو حضورؐ سے مسلمانوں اور کافروں کے تعلق کی ایک دائمی صورت موجود ہے۔سیرت طیبہؐ کا یہ واقعہ مشہور ہے۔ ایک روز حضورا کرمؐ صحابہ کرامؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ صدیق اکبر حضرت ابوبکرؓ حاضر ہوئے اور آپؐ کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ بخدا میں نے اتنا جمیل چہرہ کبھی نہیں دیکھا۔حضورؐ نے فرمایا ٹھیک کہتے ہو۔تھوڑی دیر بعد ابوجہل کا وہاں سے گزر ہوا۔اس نے حضورؐ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر اہانت آمیز فقرہ کہا حضورؐ نے فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو۔صحابہؓ نے استفسار کیا آپؐ نے دونوں باتوں کے جواب میں ایک ہی بات کیوں ارشاد کی۔حضورؐ نے فرمایا میں ایک آئینہ ہوں،اس میں سب کو اپنا عکس نظر آتا ہے۔حقیقت محمدیؐ کی تفہیم اور بیان ناممکن ہے۔ہم نعت بھی لکھتے ہیں تو حقیقت محمدیؐ کے آئینے میں عکس دیکھتے ہیں۔حضورؐ سے اپنے تعلق کی صورت اور سطح بیان کرتے ہیں۔حضورؐ کے خاکے بنانے والے اور ان کی حمایت کرنے والے بھی دراصل آئینے میں اپنی ہی شکل دیکھ رہے ہیں۔۱۱ر ستمبر کے سانحے پر جنوری میں ردعمل ظاہر کرنے والوں نے بھی اپنی ہی شکل ملاحظہ کی ہے اور مسلم دنیا کے وہ حکمران جو اس سلسلے میں کچھ بھی کرنے پر آمادہ نہیں یا وہ جو صرف بیانات کے دریا بہارہے ہیں وہ بھی دراصل آئینے کے روبرو کھڑے ہیں اور بتارہے ہیں کہ وہ کیا ہیں؟ اس تناظر میں دیکھا جائے تو طوفان مغرب سے مسلمان ہونے والے مسلمانوں کی ایک اور سطح پر تفہیم واضح ہے۔

ایک وقت تھا کہ جب ہزار کمزوریوں کے باوجود ہماری تہذیبی حس بہت تیز تھی اور ہم مغرب کو پینٹ شرٹ اور اسکرٹ بلاؤز سے فکر و فلسفے اور سائنس کی سطح تک بیک وقت پہنچانتے تھے۔لیکن ایک وقت یہ ہے کہ لوگ منبر پر بیٹھ کر محراب میں کھڑے ہوکر،خانقاہ میں تخت نشیں ہوکر،مدرسوں میں مسندنشین ہوکر،اسلامی تحریکوں کی قیادت کرتے ہوئے مغربی فکر اور ذہنیت کو آگے بڑھا رہے ہوتے ہیں۔مغرب کے فکر،مغرب کی اصطلاحات، مغرب کے دعوں اور مغرب سے آنے والے ہر نقطۂ نظر کی تعبیر تشریح و توجیہہ قرآن و سنت سے کرکے مغرب کی اسلام کاری کررہے ہیں لطف یہ ہے کہ مغرب میں جو بھی ایجاد ہوتی ہے انکشاف ہوتا ہے اس کی دلیل قرآن میں تلاش کرلی جاتی ہے لیکن اس سوال کا جواب ان کے پاس نہیں ہوتا کہ اگر یہ علم ہمارے پاس تھا تو اس پر عمل کی توفیق ان کفار کو کیسے ہوگئی جنھوں نے کبھی اس آیت کو نہیں پڑھا اور نہ بے چاروں کو یہ معلوم ہے کہ قرآن میں کیا لکھا ہے ہماری فکر کو کا کولا اور دودھ کے ڈبوں کو تو پہچانتی ہے لیکن مغربی فکر، فلسفے،سائنس کے اسماء اور مغربی جمہوریت میں مضمر گمراہی کو شناخت کرنے سے عاجز ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی پیڑ کی جڑ سے چمٹ کر رہ جائے لیکن اس کے پتوں کی مذمت فرماتا رہے۔اس سطح کے تہذیبی شعور کی بیداری کے لیے حادثے اور سانحے ہی کفایت کرسکتے ہیں۔

ساحل جنوری ۲۰۰۶ء